# "جندر" پر ایک نظر

ڈاکٹر سمیرا گل

ایسوسی ایٹ پروفیسر اردو، ویمن یونیورسٹی، مردان

## Abstract:

Akhtar Raza Salimi is one of the important novelist in the 21st century. His novel "Jandar" is the most famous novel in history of Urdu novel. The contemporary society is depicted in the novel and according to the author the technology and facilities have brought ease to human life but on the other hand these have made humans lonely and deserted. This realistic depiction is one of the best characteristic of the novel. As it is representing the social norms and values being forgotten by people. Written from this perspective the novel is catching the attention of the readers regarding the stylish and memorabic qualities.

اردو ناول نگاری کا سفر دیگر نثری اصناف کے مقابلے میں مختصر ہے اس اختصار کی کئی ایک وجوہات کے باوجود ناول کی صنف جس گیرائی اور گہرائی کی حامل ہے اس سے انحراف ممکن نہیں ناول کا کینوس وسیع کینوس ہے ناول کے وسیع کینوس میں زندگی کے بھرپور رنگوں سے بخوبی کام لینے کا ہنر سطحی ناول نگار کے بس کا روگ نہیں تاہم اردو ناول نگاری کے میدان میں ناول کی فنی جہتوں سے آشنائی کا ثبوت دینے والوں میں عصمت چغتائی، عزیز احمد، قرۃ العین حیدر، عبد اللہ حسین، انتظار حسین اور مستنصر حسین تارڑ جیسے بڑے نام شامل ہیں۔

تہذیبی، ثقافتی، سیاسی اور سماجی منظرناموں میں تغیرات کا ایک طویل سلسلہ بھی نظر آتا ہے جس نے کئی ایک فکری المیوں کو جنم دیا ایسے ہی فکری المیوں کو ناول کے فن میں سمونے کا عمل اکہرا نہیں، دہرا ہوتا ہے۔ اس عمل میں ناول نگار کا شعور اور لاشعور شامل ہوتے ہیں، ایک طرف زندگی کے تجربات کو سمجھنے کا عمل تو دوسری طرف زندگی کے مشاہدات کی گہرائی ناول نگار کے ویژن کی تشکیل میں نمایاں کردار ادا کر کے ناول نگاری کی عظمت پر مہر ثبت کرتی ہے جس کی نشاندہی ڈاکٹر سلیم اختر نے ان الفاظ میں کی ہے:

> "ناول نگار کے پاس دو طرح کی ویژن ہونی چاہیئے ایک Telescopic اور
> دوسری Periscopic۔ اول الذکر زندگی کے تجربات اور مشاہدات سے
> میسر آتی ہے تو موخر الذکر لاشعور کی غواصی سے مشروط۔ تخلیق کاروں کی

اکثریت کے پاس ٹیلی سکوپک ویژن ہوتا ہے اور اس کی مدد سے وہ قابل
مطالعہ ناول لکھ لیتے ہیں لیکن عظیم ناول (بلکہ ادب پارہ) کی تخلیق
Telesopic اور Periscopic ویژن کے اشتراک سے جنم لیتی ہے۔"۱

اکیسویں صدی کے پہلے دو عشروں میں لکھے جانے والے ناولوں کو تجزیاتی نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ جان کر حیرت ہوتی ہے کہ ناول نگاری کے فن کو شعوری ترجیح دی گئی، مٹتی ہوئی تہذیب کے آثار، ماضی سے وابستگی کا دکھ اور صنعتی تہذیب کے نتیجے میں پیدا ہونے والا ذہنی فشار، جس نے انسان کو نفسیاتی اعتبار سے اکیلا کر دیا تھا ناول کا دائرہ ہی اتنا وسیع تھا جو موجودہ عہد کی گوناگوں پیچیدگیوں کو اپنے اندر سمیٹ سکتا تھا۔

"عہد جدید کا انسان اور اس کی صورتحال بے حد پیچیدہ اور تہہ دَر تہہ ہے اس لیے
وہ اپنی معنویت کا ابلاغ ان صورتوں میں بہتر طور پر کر سکتی ہے جن میں ان کی
پیچیدگی کو کھولا اور ظواہر کی سطحوں کو توڑ کر دیکھا جا سکے۔ اس لیے سب سے
بڑھ کر ناول ہی وہ صنف ہے جو اس عہد کے انسانی تجربے کو سہارنے کی سکت
رکھتی ہے۔"۲

جدید ناولوں میں فنی محاسن کے ساتھ ساتھ فکری زاویہ نگاہ کو بھی سامنے رکھا گیا ہے۔ بصارت کا گہرا احساس ہے جس کے سوتے ناول نگار کی بصیرت سے پھوٹے ہیں جو کہ مستقبل میں ناول نگار کی شہرت کے ساتھ ساتھ ناول نگاری کی مقبولیت کا بھی ضامن ٹھہرتا ہے ایسے ہی ناولوں میں "جندر" بھی شامل ہے جسے اختر رضا سلیمی نے لکھا۔ اختر رضا سلیمی بنیادی اعتبار سے شاعر ہیں لیکن ناول نگاری میں بھی انہوں نے اپنے فن کو منوایا۔

اختر رضا سلیمی نے تاحال دو(۲) ناول لکھے ہیں ان کا پہلا ناول جاگے ہیں خواب میں "۲۰۱۵ میں منظر عام پر آیا تھا ،"جندر" ان کا دوسرا ناول ہے جو ۲۰۱۷ میں منظر عام پر آیا "جندر" ایک طرح سے ان کے پہلے ناول "جاگے ہیں خواب میں" ہی کا ایک تسلسل معلوم ہوتا ہے گہری مماثلتوں کے باوجود "جندر" کے ایسے نِکات بھی ہیں جس سے "جندر" ایک الگ حیثیت اختیار کر گیا ہے۔

ناول کی طوالت (ناول کے ابتدائی عہد میں بنیادی خوبی تصور کی جاتی تھی) نہ ہونے کے برابر ہے مگر یہ اختر رضا سلیمی کی فنی گرفت کا کمال ہے کہ جندر" ایک طرف تو ماضی سے وابستگی کی گہری کہانی ہے تو دوسری طرف کھنڈر بنتی ہوئی تہذیب کا المیہ، ناول کو بیان کرنے کا انداز قاری کو باآسانی گرفت میں لے لیتا ہے۔ "جندر" کی عمدگی کا اس سے بڑھ کر ثبوت

کیا ہو سکتا ہے کہ اختر رضا سلیمی نے اپنے زاویہ نظر، ذہنی رسائی اور طرزِ فکر کو قاری پر مسلط نہیں کیا۔ حقیقی زندگی کا عکس تو پیش کیا مگر یہ عکس کیسا ہے؟ اس کا فیصلہ قاری پر چھوڑ دیا ہے زندگی کے حقائق کو پرکھنے، جانچنے اور زندگی بسر کرنے کا انداز ،لاشعوری طور پر قاری کو منتقل کر دینا اختر رضا سلیمی جیسے ناول نگار کے حصے میں آیا ہے گویا شعورِ زیست اور شعارِ زیست ہی" جندر" کی اولین خوبی ہے۔

اس ضمن میں ڈاکٹر سلیم اختر کی رائے قابل غور ہے جس میں انہوں نے ناول کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:

> "ناول سے مراد ایسی تحریر ہے جو شعورِ زیست کے ساتھ ساتھ شعارِ زیست بھی دے، جو کرداروں کے حوالہ سے انسانی سائیکی کا لینڈ سکیپ منور کر دے، جو وقوعات کے محرک بننے والے عوامل کی نشاندہی کرے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انسان اور انسانی سماج کا Periscopic مطالعہ پیش کرے۔"[۳]

"جندر" انسان اور انسانی سماج کے Periscopic مطالعہ ہی کا نام ہے یہاں ایک سوال یہ بھی اٹھتا ہے کہ ناول کا تخلیقی محرک "جندر" ہی کیوں؟ اس کی وضاحت مشرف عالم زوق اس طرح کرتے ہیں:

> "جندر ایک ایسی علامت بن کر آتا ہے جہاں پرانی اشیاء اور اقدار اپنی چمک کھوتے جا رہے ہیں اور ایک نئی نسل ماڈرن ٹیکنالوجی اور سائنس کے ارتقا کے ساتھ وقت کو نئے معنی پہنانے کی کوشش کر رہی ہے۔ ہم ایک ایسے عہد میں آ گئے ہیں جہاں دھند ہے تاریکی ہے مگر خواب زندہ ہیں۔"[۴]

عہدِ جدید کا انسان سماجی سطح پر سائنسی ارتقا کے ساتھ خواہ کتنا ہی ہم آہنگ ہونے کی کوشش کیوں نہ کرے مگر ذہنی اعتبار سے خالی پن شکار ہے یہی دکھ "جندر" کے اقتباسات میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے "جندر" کی پسندیدگی محض قاری تک محدود نہیں رہی فکشن کے بیشتر نقادوں نے "جندر" کی اہمیت کو بسر و چشم قبول کیا ہے۔

ڈاکٹر امجد طفیل کی رائے قابلِ غور ہے۔

> "جندر آٹا پیسنے کی پن چکی علامتی سطح پر ایک طاقتور تہذیبی اور انسانی زندگی کا اعلامیہ بنتی ہے یہاں انسانی کردار اور ایک مشینی کل ایک دوسرے سے اس طرح ملے ہیں کہ دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کرنا ممکن نہیں" میں "اناج پیتے پیتے کس طرح جندر کا ایک حصہ بن جاتا ہے باقی سب چیزیں حتیٰ کہ

محبوب بیوی بے معنی ہو جاتی ہے معروضی اور موضوع کے یکجان ہو جانے کا
نہایت خوبصورت اور تخلیقی بیان ہے " جاگے ہیں خواب میں " کے بعد " جندر
"بلاشبہ اختر رضا سلیمی کا دوسرا نہایت کامیاب ناول ہے۔"۵

گاؤں میں جندر کی تعمیر کی کہانی کی ایک ایک پرت کو سامنے لایا گیا ہے جندر کی تعمیر کیونکر ممکن ہوئی، مصنف کے دادا احمد خان نے اپنے چھوٹے بھائی محمد خان کے ساتھ مل کر جندر کی تعمیر کو ممکن بنایا، یہ عمل " جندر " کو دیکھنے سے زیادہ اس کے پتھروں کو چھو کر ہی جندر کے وجود کو محسوس کرنے کا عمل ہے۔

اختر رضا سلیمی نے " جندر " کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

" یہ اب بھی اسی طرح پھسلواں ہیں جیسے پانی سے نکلتے وقت تھے اور یہ پھسلاہٹ انہیں چھو کر اب بھی بخوبی محسوس کی جا سکتی ہے بہتا پانی اپنے رستے میں آنے والے پتھروں پہ موجود کھردراہٹ کو ختم کر کے ان کے وجود میں ایک ایسی پھسلاہٹ بھر دیتا ہے جو مچھلی کے بدن کا خاصہ ہے اگر آپ آنکھ بند کر کے، اپنا ہاتھ ایسے کسی پتھر پر پھیریں، جو ایک طویل عرصے تک بہتے پانی کی زد میں رہا تو آپ کو یوں محسوس ہو گا جیسے آپ کسی مچھلی کے بدن پر ہاتھ پھیر رہے ہوں۔"۶

سوانحی کوائف کو ناول نگاری کا حصہ بنانے کی روایت کی بنیاد پریم چند اور قرۃ العین حیدر جیسے ناول نگاروں نے رکھی تھی، اکیسویں صدی میں اختر سلیمی نے بھی " جندر " کی تخلیق میں سوانحی کوائف کے استفادہ سے فن کی تشکیل کو ممکن بنایا ہے ہزارہ کی دو سو سالہ تہذیب سے مواد حاصل کر کے اسے بخوبی اپنے تخلیقی عمل کا حصہ بنایا ہے۔ گاؤں کے ایسے نقشے کھینچے گئے ہیں جس سے وابستہ افراد اپنی مٹی سے جڑے ہوئے ہیں اپنی جنم بھومی اور مٹی سے مغائرت کا عمل، بے وفائی کا ایسا طعنہ تھا جسے گاؤں کے لوگ سننے سے بھی گریزاں تھے۔

ناول میں کہانی کے بیان کے لیے فن کارانہ جستجو کو جاری رکھنے کے عمل کا سب سے بڑا وسیلہ کہانی میں کرداروں کی موجودگی ہے۔ فکشن کی قدیم تنقید کے مطابق واقعات کی بُنت کو بنیادی درجہ حاصل رہا حالانکہ ناول میں زندگی کا حقیقی رنگ بھرنے کے لیے کرداروں کی تخلیق کا عمل بنیادی حیثیت رکھتا ہے، کہانی کے کردار ہی کہانی کو اپنے شانوں پر اٹھائے پھرتے ہیں جس سے کہانی، کہانی کے دائرے کے سفر کو پورا کر پاتی ہے ناول میں کردار کے بغیر کہانی کا وجود کوئی معنی نہیں رکھتا، کرداروں کی تخلیق سے ناول نگار زندگی کی سچی ترجمانی کا حق ادا کر پاتا ہے۔

"کردار واقعہ کے بیان کے سوا اور کیا ہے؟ کون سی تصویر یا ناول ایسا ہوتا ہے
کہ جس میں کردار نہ ہوں ہم اس کے سوا، اس میں کیا تلاش کرتے اور کیا
پاتے ہیں۔"۷

ناول "جندر" کا مرکزی کردار ولی خان کا ہے جو پیشے کے لحاظ سے جندروئی ہے مگر کتاب کے ساتھ اس کا رشتہ بہت پرانا ہے کتابوں کے رشتے نے ہی اسے زندگی کے حقائق سے قدرے دور رکھا، زندگی کے نئے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ نہ ہو سکنے کے عمل نے اسے ان خوابوں اور خیالوں کی دنیا کا قیدی بنا کر رکھ دیا ہے اس کی گہری وابستگی، بچپن اور جوانی میں ان شخصیات سے رہی تھی جنہوں نے اسے کتابوں کی دنیا کی طرف کھینچا تھا جس میں بابا جمال الدین کا کردار اہم ہے اور اس کی بیوی ہاجرہ کا کردار اور ولی خان نفسیاتی اعتبار سے دروں بینی کا شکار کردار ہے۔

"مجھ جیسا آدمی بھی جس نے ساری زندگی داستانوں، لوک کہانیوں انسانوں اور
ناولوں میں بسر کی اور جو ہمیشہ ان ہونیوں اور مافوق الفطرت واقعات کو
حقیقت کے روپ میں دیکھتا چلا آیا ہے اس کی صحت کے بارے میں آج بھی
تذبذب کا شکار ہے۔"۸

ہاجرہ کا کردار بھی کسی حد تک قابلِ غور ہے ہاجرہ نے ولی خان کے ساتھ ذہنی رشتہ استوار کرنے کی بھی کوشش کی تھی مگر اس میں وہ کسی حد تک ناکامی کا شکار بھی ہوئی اس کا اندازہ ہاجرہ کے اس مکالمہ سے بخوبی کیا جا سکتا ہے:

"میں نے ایک آزاد مرد سے شادی کی تھی مجھے کیا پتہ تھا کہ وہ "جندر" کی گونج
کا قیدی ہے میں ایک معذور مرد کے ساتھ تو زندگی گزار سکتی ہوں لیکن ایک
مجبور مرد کے ساتھ نہیں، تمہیں اس مجبوری سے آزاد ہونا پڑے گا۔"۹

"جندر" سے ہوش سنبھالنے کے بعد کی Attachment سے لے کر زندگی کے آخری دم تک کی وابستگی نے ولی خان کو دھرتی کے ساتھ جوڑ کر رکھا تھا مگر آئے دن کی تبدیلیوں کو ذہنی سطح پر قبول کرنا، اس کے بس سے باہر رہا ہے نت نئی ایجادات نے انسانوں کے باہمی رشتے کمزور تر کر دیئے تھے، اب نہ تو فرد کو تہذیب سے جڑے رہنے کی ضرورت تھی اور نہ ایک دوسرے سے ربط استوار کرنے کی ضرورت رہی ہے، صنعتی تہذیب اور نت نئی مشینوں سے متعارف ہونے کے عمل نے انسان کو پہلے جیسا انسان رہنے ہی نہیں دیا تھا، محض انسان نما بنا دیا تھا۔

"ٹریکٹر اور اس سے وابستہ مشینوں نے آدمی کو پہلے زمین کی اور بالآخر آپس کی
جڑ سے آزاد کر دیا، اب ہر آدمی آزاد اور خود مختار تھا وہ جب چاہتا ٹریکٹر کو بلوا

کر زمین بیچ ڈالتا اور جب چاہتا تھریشر کے ذریعے دانے اور بھوسا الگ کر والیتا
، یہ خود مختاری غیر محسوس طریقے سے لوگوں کی رگوں میں دوڑنے لگی اور
لوگ ایک دوسرے سے کٹتے چلے گئے۔"۱۰

ولی خان کا کردار پیچیدگی کا حامل کردار نہیں ہے۔ جندر کی فضا میں تخلیق کیا گیا یہ کردار بظاہر سادہ سا ہے کم مایہ ہونے کے باوجود ولی خان اردو ناول نگاری میں یاد رہ جانے والا اور حیرت میں مبتلا نہ کر سکنے کے باوجود قاری کی دلچسپی تو شروع سے لے کر آخر تک برقرار رکھنے والا کردار ہے۔

بقول مبین مرزا:

"وہ تو اس درجہ سادہ بلکہ کم مایہ ہے کہ سماج کا ایک بے ماجرا آدمی محسوس ہوتا
ہے اختر رضا سلیمی کا فنکارانہ ہنر یہ ہے کہ وہ آدمی کے توسط سے نئی اور پرانی
روایت کی جمی ہوئی اور اسی عہد کی مضطرب زندگی کے مابین نمایاں طور سے
ایک خط فاصل کھینچنے میں کامیاب رہتا ہے کسی گھن گرج اور چکا چوند کے بغیر
بھی ایک سادہ انسان کی زندگی اس درجہ پر ماجرا ہو سکتی ہے کہ وہ ایک پورے
سماجی نظام اور اس کی طرز حیات کی علامت بن جائے یہ واقعی قابل داد بات
ہے"۱۱

ولی خان اور ہاجرہ کے کردار ذہنی اعتبار سے ایک دوسرے سے دور ہیں، باہمی دوری اور مفاہمت کے پس منظر میں "جندر" کی مخصوص فضا اور مثالیت پسندی کا وہ عنصر ہے جس نے ولی خان اور ہاجرہ کے بیچ نہ ختم ہونے والے فاصلے کو جنم دیا ہے، جسے طے کرنا دونوں کے لیے مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو گیا۔

بقول خالد محمود سامٹیہ:

"دونوں ہی اپنے اپنے دائروں میں مقید ہیں ایک "جندر" کی سریلی گونج کا
قیدی ہے تو دوسرا مثالیت پسند سوچ کا اسیر ہے دونوں کامیاب ازدواجی بندھن
کی قربانی تو دے دیتے ہیں لیکن اپنے اپنے دائروں کو چھوڑ کر ایک دائرے کا
حصہ بننے سے انکار کر دیتے ہیں۔"۱۲

"جندر" کے نمایاں کردار گنے چنے ہی سہی مگر ان کرداروں کی تخلیق اس انداز میں کی گئی ہے کہ ناول کے کردار فرضی ہونے کے باوجود حقیقی زندگی میں موجود کرداروں ہی کے نمائندے معلوم ہوتے ہیں ناول نگار کے پیش نظر اس حربے کو آزمانے کا بنیادی مقصد قاری کی دلچسپی کو شروع سے لے کر آخر تک قائم رکھنا ہوتا ہے۔

ناول کے اسے نکتے کی نشاندہی ممتاز شیریں ان الفاظ میں کرتی ہیں:

> "ناول میں چند مرکزی کردار صرف پڑھنے والوں کی دلچسپی قائم رکھنے اور ان کی توجہ کا تار کھینچے رکھنے کے لیے پیدا کیے جاتے ہیں ان کی زندگی کے واقعات بظاہر بڑے اور نمایاں نظر آتے ہیں کیونکہ وہ ہمیں قریب محسوس ہوتے ہیں لیکن اس سے زیادہ اہم اور معنی خیز وسیع پس منظر ہوتا ہے جو پس منظر میں کھنچا چلا جاتا ہے ایک گاؤں کا، ایک شہر کا، ایک کلاس، ایک قوم، ایک تحریک کا ،ایک دور اور کبھی کبھی انسانیت کا۔"۱۳؎

"جندر" کے کرداروں کے وسیلے سے اختر رضا سلیمی نے ناول کے منظر سے زیادہ ناول کے پس منظر پر Focus کیا ہے اور یہ پس منظر جس تکنیک کا متقاضی تھا وہ علم نفسیات کی اصطلاح میں شعور کی رو کی تکنیک تھی شعور کی رو کے تحت بیان کیے گئے واقعات ایک دوسرے سے مختلف تو ہوتے ہیں مگر تلازمہ خیال کی لہریں واقعات کو ایک دوسرے سے ہم آہنگ کر کے مماثلت کے نکتے دریافت کر لیتی ہیں شعور کی رو میں واقعات کا بیان تسلسل کے نکتے سے خالی ضرور ہوتا ہے تاہم ذہن ایک واقعے سے نکل کر دوسرے واقعے کے بیان کو گرفت میں لینے میں کامیاب رہتا ہے۔ گویا ماضی حال بن جاتا ہے اور حال مستقبل کا لبادہ اوڑھ لیتا ہے۔ شعور کی رو کی تکنیک ناول نگار کے ذہنی تجربات شخصی دور بینی اور زمین کی تہہ در تہہ پیچیدگیوں کو گرفت میں لینے کا نام ہے اس لیے آگے پیچھے پیش آنے والے واقعات کے درمیان مماثلت کے رشتے دریافت کر لیے جاتے ہیں، شعور کی رو کا بہاؤ سست ہونے کے بجائے قدرے تیز ہوتا ہے اس لیے شعور کی رو کی تکنیک آسان تکنیک نہیں بلکہ ایک مشکل تکنیک ہے جسے فنی اعتبار سے کام میں لانے کی مہارت ہر ناول نگار کو حاصل نہیں ہوتی۔

بقول ڈاکٹر ناہید قمر:

> "شعور کی رو کا بہاؤ تیز اور مختلف سمتوں میں ہوتا ہے جسے بعنیہ گرفت میں لانا ممکن نہیں چنانچہ ایسے ناول میں خیالات اور تاثرات اور یادیں کسی منطقی ربط کے بغیر پیش کر دی جاتی ہیں۔ اور تخلیق کار کی توجہ خارجی عمل کے بجائے ،کردار کی نفسی زندگی پر مرکوز رہتی ہیں۔ یہ تکنیک مفید ہونے کے ساتھ ساتھ مشکل بھی ہے کیونکہ اس کے لیے بڑے تجزیاتی اور تخلیقی ذہن کی ضرورت ہوتی ہے جو ٹھوس حقائق کی آگہی سے بلند ہو کر خالص ذہنی تجربوں اور باطنی تصادمات یا شخصیت کی اندرونی پیچیدگیوں کا احاطہ کرے کی قدرت رکھتا ہو۔"۱۴؎

اختر رضا سلیمی نے "جندر" میں خود کلامی Monolog اور شعور کی رو کی تکنیک Conscious of Stream کو پیش نظر رکھتے ہوئے کرداروں کے ساتھ پیش آنے والے خواب ناک واقعات کے بیان میں شعور کی تکنیک کا استعمال عمدگی سے کیا ہے۔

"اس واقعے کو گزرے پچاس سال ہونے کو آئے ہیں اور ابتدائی چند ماہ کو چھوڑ کر یہ شاید ہی کبھی مجھے آیا ہو لیکن گزشتہ پینتالیس دنوں سے میں اس خواب آلود واقعے کو ایک لمحے کے لیے بھی نہیں بھول پایا، بھولوں بھی کیسے ؟ کہ وہ بوری اس دن سے جب میں اپنی اور اس جندر کی زندگی کی آخری چونگ پیس کر فارغ ہوا تھا، یہاں میرے سامنے موجود ہے اور اس دوران میں کسی لمحے غائب نہیں ہوئی۔ مجھے اس کی موجودگی کا اب اتنا ہی یقین ہے جتنا اس بات کا کہ میں کل کا سورج چڑھتے ہوئے نہیں دیکھ پاؤں گا اب تو میں اسے باقاعدہ چھو کر بھی محسوس کر سکتا ہوں، اس دوران میں، میں نے کئی بار سوچا کہ اسے اٹھا کر جندر کے کھارے میں انڈیل کر کیل گرادوں اور دوچار گھنٹے آرام سے سویا رہوں لیکن مجھے ہمت نہیں ہو گی۔"۱۵

اختر رضا سلیمی نے "جندر" میں جس سماجی نظام اور طرزِ حیات کو متعارف کروایا ہے اس کا فکری دائرہ ہزارہ تہذیب کی قدامت کو اپنے اندر جذب کیے ہوئے ہے نو آبادیات کے تناظر میں دیکھا جائے تو ماضی میں ہزارہ تہذیب سے متعلقہ افراد کی جرأت اور شجاعت قابل داد رہی ہے ماضی کے مقابلے میں حال میں سانس لینے والے ولی خان کے کردار میں بھی انہی آباواجداد کی جھلک ہے جو جندر سے وابستگی کا سلسلہ دراصل اجتماعی لاشعور کا سلسلہ ہے جو کسی ایک نسل تک محدود نہیں رہتا بلکہ اجتماعی لاشعور کا یہ سفر نسل در نسل جاری رہتا ہے۔

گویا اجتماعی لاشعور بھی جندر کا ایک ایسا ہی تخلیقی محرک ہے جس نے ولی خان کی صورت میں آباواجداد کی بہادری اور شجاعت کی کہانی بیان کی ہے۔

بقول خالد محمود سامٹیہ:

"یہ جندر بھی اس کے پرکھوں نے تقریباً دو سو سال قبل یہاں لگایا تھا اس جندر کی تعمیر کے پیچھے بھی اس کے خاندان کی شجاعت کا گہرا عمل دخل تھا یہ "جندر" دراصل اس کے پرکھوں کی شجاعت اور بہادری کی نشانی ہے جسے وہ اپنی آنکھوں کے سامنے ختم ہوتے نہیں دیکھ سکتا"۱۶

جندر کی فکری جہات میں موت کے تصور کو اولین حیثیت حاصل ہے لیکن یہ موت محض طبعی موت نہیں، بلکہ ایک ایسی حقیقت کا نام ہے جو زندگی میں لحہ بہ لحہ محسوس کیا جانے والا گہرا عمل ہے جو زندگی کو موت کے قریب تر لے جاتا ہے گویا موت وجودی سطح پر محسوس کی جانے والی شے کا نام ہے۔"جندر" میں موت محض کسی ایک انسان کے طبعی وجود کے خاتمے کا اعلان نہیں بلکہ یہ موت مرتی ہوئی، مٹتی ہوئی اور اجڑتی ہوئی تہذیب کے خاتمے کا اعلان ہے اگر مجموعی لحاظ سے بات کی جائے تو فکری اعتبار سے موت کے موضوع کو اُجاگر کیا گیا ہے۔

بقول خالد محمود سامٹیہ:

> " اس ناول کا بنیادی استعارہ ہی موت ہے چاہے یہ ایک فرد (ولی خان) کی موت ہو جو ایک بستی سے کٹا ہوا ایک ویران تنہا "جندر" پر زندگی کی آخری سانسیں لے رہا ہے چاہے تہذیب کی ہو یا تہذیبی اقدار و علامات کی موت ہو ،موت کا یہی تجزیہ "جندر" کو ایک وجودی ناول کا روپ دیتا ہے اور ولی خان کو ایک وجودی کردار کا۔"۱۷

وجودی کردار ولی خان کی خود کلامیہ گفتگو میں تنہائی اور موت کے بارے میں ایک مختلف Shades اور رنگ ہیں جس سے زندگی کے ہر لمحے میں شامل اضمحلال نے ایسی مضطرب کیفیتوں کو سمیٹا ہے جس کے باعث بستر مرگ پر پڑے شخص ولی خان کی خود کلامی کی صورت میں پیش کیے جانے والے بیشتر اقتباسات معنویت سے بھرپور ہو گئے ہیں۔

اختر رضا سلیمی نے ولی خان کی زبانی موت کے تصور کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:

> "میں نے ہمیشہ یہی سنا ہے کہ موت آتی ہے تو انسان مر جاتا ہے لیکن میرے خیال میں موت کہیں باہر سے وارد نہیں ہوتی وہ زندگی کی سرشت میں شامل ہوتی ہے جوں ہی کسی وجود میں زندگی ترتیب پاتی ہے موت بھی اس میں پناہ حاصل کر لیتی ہے اور زندگی کو اس وجود سے باہر دھکیلنے کا عمل شروع کر دیتی ہے جس وجود کی زندگی جتنی طاقتور ہوتی ہے وہ اتنے ہی طویل عرصے وہاں قدم جمائے رکھتی ہے مگر کب تک، آخری فتح تو موت ہی کی ہوتی ہے۔"۱۸

جندر کہنے کو تو مختصر ناول کا نام ہے مگر ناول کی فنی تخلیق میں ایسے منطقے بھی دریافت کیے گیے ہیں جنھوں نے نہ صرف ناقدین کو اپنے سحر میں جکڑے رکھا بلکہ ناول پڑھتے وقت قارئین بھی اپنے آپ کو اسی فضا کا حصہ سمجھ لیتے ہیں اسی فضا میں سرشاری کی ایک ایسی کیفیت ہے جو قاری کی دلچسپی کو شروع سے لے کر آخر تک قائم رکھتی ہے یہی دلچسپی "جندر" کی عظمت کی روشن دلیل ہے۔

## حوالہ جات

۱: سلیم اختر ڈاکٹر، "داستان اور ناول"، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۳، ص ۱۴۶

۲: مبین مرزا ،اکیسویں صدی کے دو عشروں میں اردو ناول پر اجمالی نظر، مشمولہ "ادبیات" خصوصی نمبر اردو ناول ڈیڑھ صدی کا قصہ (جلد دوم) جنوری تا جون ۲۰۲۰ء، ص ۵۴

۳: سلیم اختر ڈاکٹر، داستان اور ناول، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۳ء، ص ۱۱۳

۴: مشرف عالم ذوقی، مضمون ۱۹۸۰ء کے بعد اردو ناول تعارف نئے موضوعات، مشمولہ "ادبیات" خصوصی نمبر: اردو ناول ڈیڑھ صدی کا قصہ، جولائی تا دسمبر ۲۰۱۹ء، (جلد اول) ص ۵۷

۵: ڈاکٹر امجد طفیل، مضمون اردو ناول اکیسویں صدی میں ،مشمولہ ادبیات اردو ناول ڈیڑھ صدی کا قصہ جنوری تا جون ۲۰۲۰ء، (جلد دوم)، ص ۱۱۳، ۱۱۴

۶: اختر رضا سلیمی، "جندر"، رومیل پبلی کیشنز راولپنڈی، ۲۰۱۵، ء ص ۳۰

۷: جمیل جالبی ڈاکٹر، (مترجم) ارسطو سے ایلیٹ تک، نیشنل بک فاونڈیشن، ۲۰۰۳ء، ص ۳۹۲

۸: اختر رضا سلیمی، "جندر"، رومیل پبلی کیشنز راولپنڈی، ۲۰۱۵ء، ص ۱۹-۱۸

۹: ایضاً، ص ۹۸

۱۰: مبین مرزا ،اکیسویں صدی کے دو عشروں میں اردو ناول پر اجمالی نظر، مشمولہ "ادبیات" خصوصی نمبر اردو ناول ڈیڑھ صدی کا قصہ، (جلد دوم) جنوری تا جون ۲۰۲۰ء، ص ۴۷

۱۱: اختر رضا سلیمی، "جندر"، سنگ میل پبلی کیشنز راولپنڈی، ۲۰۱۵ء، ص ۱۰۳

۱۲: خالد محمود سامٹیہ، خواب، اجتماعی لاشعور اور اختر رضا سلیمی، رومیل پبلی کیشنز راولپنڈی، ص ۱۰۰

۱۳: ممتاز شیریں، "معیار" نیا ادارہ لاہور، ۱۹۶۳ء، ص ۵۳

۱۴: ناہید قمر ڈاکٹر، اردو فکشن کا تصور، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۸ء، ص ۵۳

۱۵: اختر رضا سلیمی، "جندر"، رومیل پبلی کیشنز راولپنڈی، ۲۰۱۵ء، ص ۵۳

۱۶: خالد محمود سامٹیہ، خواب، اجتماعی لاشعور اور اختر رضا سلیمی، رومیل پبلی کیشنز راولپنڈی، ص ۲۸

۱۷: اختر رضا سلیمی، "جندر" رومیل پبلی کیشنز راولپنڈی، ۲۰۱۵ء، ص ۱۰۶

۱۸: ایضاً